

آغازِ نزولِ قرآن کی تاریخ کا تعین

محمد عارف خان ساقی *

ABSTRACT:

Qur'an is the blessing for mankind and is one of the fundamental sources of guidance. Qur'an was revealed on the heart of Prophet Muhammad (S.A.W.) during 23 years of his life. One of the questions regarding Qur'an is the exact timing of the beginning of its revelation. This article discusses the possible answer using different historical sources.

قرآن حکیم کا نازل ہونا بارانِ رحمت کے نزول کی مانند تھا۔

مگر ان مبارک و مسعود لمحات کی شروعات کب ہوئی؟ مختلف قیاسات و خیالات زیرِ گردش ہیں۔ شہرت کے باعث کوئی ایک قول مقبول اور رائج و شائع تو ہو جاتا ہے مگر شرح صدر جب تک نہ ہو بات ادھوری اور بحث جاری ہی رہتی ہے۔ یوں قیاس آرائیوں کا سلسلہ تھمنے میں نہیں آتا۔ قضیہ کوئی ایک ہو تو ایک قوم کے بھاری وجود کو اس کی مطلق پروا نہیں ہوتی۔ مگر یہ چر کے جب شمار سے باہر ہو جائیں تو ساری توانائی ان راہوں سے نکل جاتی ہے، قوموں کا ارتقارک جاتا ہے اور بقا خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ ملتِ اسلامیہ کے ساتھ یہی کچھ ہوا بھی۔ اب صدیوں بعد اسے ایک نئی زندگی ملی ہے۔ اور فی زمانہ یہ امت ایک ایسے دور سے گزر رہی ہے کہ نشاۃِ نو کے بعد نئی بنیادوں کو مضبوط کیا جا رہا ہے۔ نئے تقاضے اور نئے سوالات جنم لے رہے ہیں اور اہل علم اور اصحابِ فہم و دانش کی مقدور بھرکوشش ہے کہ ہر قضیے کا کوئی مناسب و متوازن سبب کے لیے قابل قبول حل تلاش کیا جاسکے۔ ایسے حالات میں سب سے زیادہ اہمیت اس بات کی ہے کہ اپنی نسلِ نو کو تذبذب اور تردد کی دلدل میں اترنے اور پھنس کر رہ جانے سے کیسے بچایا جائے؟ اقوال و آراء کی کثرت اور تنوع ہمارے ادبِ عالی کی پہچان بن کر رہ گئی ہے۔ بہت مرتبہ تو مطالعہ کی قلت عقیدے کی پختگی کا باعث ہوتی ہے۔ اور اگر کوئی مزید اور بہتر معلومات کی جستجو میں آگے بڑھ کر چند اور کتابوں کا مطالعہ کر لیتا ہے تو اس کے پاس جو یقین کی نعمت اس سے قبل تھی وہ بھی سلامت نہیں رہ پاتی۔ آدمی سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ کس قول یا رائے کو لے اور کسے چھوڑ دے؟ حضور رسول مکرّم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی تاریخ کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ بالآخر علامہ شبلی نعمانی نے متقدمین کے اقوال و آراء سے

کلی طور پر صرف نظر کرتے ہوئے مصر کے ایک معروف ہیئت داں محمود پاشا فلکی کی تحقیق کو اختیار کیا۔ اور سید سلیمان ندوی نے بھی حاشیے پر اسی انتخاب کی تائید و توثیق کی ہے (۱)۔ اس طرح اس عقدہ کشائی کا سہرا محمود پاشا فلکی کے سر جاتا ہے۔

سطور ذیل میں ہم نزول قرآن حکیم کی انہی مبارک ساعتوں کے تعین کے سلسلے میں چند معتبر و متداول مانے جانے والے ماخذ سے رجوع کریں گے۔ اور موضوع سے متعلق دلائل کا جائزہ لیتے ہوئے اس امر عظیم کے وقوع پذیر ہونے کے دن، تاریخ اور مہینہ کی تعیین سے متعلقہ امور کا مطالعہ کریں گے۔ قبل ازیں اہل علم کے اقوال و آراء پر ایک نظر ڈال لینا مناسب ہوگا۔

علامہ غلام رسول سعیدی، ابن عساکر کے حوالے سے لکھتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ عز و جل نے ابراہیم علیہ السلام پر صحائف رمضان کی پہلی شب میں نازل کیے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات رمضان کی چھٹی شب میں نازل کی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل رمضان کی اٹھارویں شب میں نازل کی اور سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن رمضان کی چوبیسویں شب میں نازل کیا۔ (۲)

علامہ قرطبی نے جو روایت نقل کی ہے، متذکرہ بالا روایت کے مماثل ہے مگر دونوں میں بظاہر معمولی مگر باطن ایک اہم اور بڑا فرق بھی ہے۔ اور دیکھا جائے تو اہل تحقیق کے لیے قرینہ چشم کشا ہے۔ لکھتے ہیں:

وَرَوَى وَائِلَةُ بِنُ الْأَسْقَعِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: أَنْزَلْتُ صُحُفَ إِبْرَاهِيمَ أَوَّلَ لَيْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ. وَالتَّورَاةُ لَيْسَتْ مَضِيئِينَ مِنْهُ. وَالْإِنْجِيلُ لِثَلَاثِ عَشْرَةَ. وَالْقُرْآنُ لِارْبَعٍ وَعَشْرِينَ. (۳)

”حضرت وائلہ بن اسقع سے مروی ہے۔ وہ روایت کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ نے فرمایا: صحیفہ ابراہیمی ماہ رمضان کی پہلی شب میں نازل ہوئے۔ اور اسی ماہ کی چھرا تیں گزر چکی تھیں کہ تورات نازل ہوئی۔ اور انجیل رمضان کی تیرہویں شب میں نازل ہوئی۔ اور قرآن چوبیسویں شب میں نازل ہوا۔“

ابن عساکر کے بیان کی رو سے انجیل کا نزول اٹھارہویں رمضان کی شب سے شروع ہوا ہے۔ علامہ قرطبی کا جس روایت پر اعتماد ہے اس کی رو سے پانچ دن کا فرق آجاتا ہے اور نزول تیرہویں شب سے شروع ہوتا ہے۔ جبکہ علامہ آلوسی ”الَّذِي أَنْزَلَ فِيهِ الْقُرْآنُ“ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أَيُّ ابْنُدَيْ فِيهِ أَنْزَلَهُ. وَكَانَ ذَلِكَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ. قَالَ ابْنُ اسْحَقَ. (۴)

”یعنی اس میں اس کے نزول کی ابتدا ہوئی۔ اور یہ آغاز لیلۃ القدر کو ہوا۔ یہ قول ابن اسحاق کا ہے۔“

یکے از منتقدین اور معروف سیرت نگار علامہ ابن اسحاق، جن کے قول کو بنیاد بناتے ہوئے علامہ آلوسی جیسے تبحر عالم اور

معروف مفسر قرآن نے متذکرہ بالا موقف اختیار کیا ہے، نے حسب ذیل صورت میں اپنے دلائل کو یکجا کیا ہے۔ پھر کوئی واضح نتیجہ نکالنے یا دو ٹوک موقف اختیار کرنے کی بجائے اپنی گفتگو کے آخر میں غزوہ بدر کے وقوع پذیر ہونے سے متعلق آیت مبارکہ کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہہ کر بات کو سمیٹ لیا کہ غزوہ بدر رمضان المبارک کی سترہ تاریخ کو پیش آیا تھا۔
اقتباس ملاحظہ کیجئے:

قَالَ ابْنُ اسْحَقَ فَأْتَبَدَيْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالتَّنْزِيلِ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ. يَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: "شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ" (البقرة: ۱۸۵) وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى: "إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ، وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ، لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ، تَنزِيلُ الْمَلَكِ وَ الرُّوحِ فِيهَا يَأْذَنُ رَبَّهُمْ مِّنْ كُلِّ أَمْرٍ سَلَامٌ، هِيَ حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ" (سورة القدر: كاملاً) وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى: "حَمِّ، وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ، إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مُبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ، فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ، أَمْراً مِّنْ عِنْدِنَا إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ" (الدخان: ۵، ۱) و قَالَ تَعَالَى: "إِن كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ التَّقَى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُتَّقَى وَ ذَلِكَ مُتَّقَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُشْرِكِينَ بَدْرٍ. قَالَ ابْنُ اسْحَقَ: وَ حَدَّثَنِي أَبُو جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ بْنِ حُسَيْنٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْتَقَى هُوَ وَ الْمُشْرِكُونَ بَدْرٍ يَوْمَ الْجُمُعَةِ صَبِيحَةَ سَعِ عَشْرَةَ مِنْ رَمَضَانَ. (۵)

”ابن اسحاق کا کہنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول قرآن کی ماہ رمضان المبارک میں ابتدا ہوئی۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: ”شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ“... رمضان ہی وہ مہینہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا لوگوں کی ہدایت کو اور رہنمائی اور فیصلہ کی کھلی اور روشن دلیلوں کے طور پر۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ“... حق بات یہ ہے کہ ہم نے ہی اس (قرآن حکیم) کو لیلۃ القدر میں اتارا، اور تم کیا جانو کہ لیلۃ القدر ہے کیا، لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے، فرشتے اور روح الامین اترتے ہیں اس رات اپنے رب کی اجازت سے، ہر معاملہ میں سرا سرامتی ہے، فجر کے طلوع ہونے تک، اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”حَمِّ، وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ، إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مُبَارَكَةٍ“... حَمِّ، اور تم ہے کتاب مبین کی حق بات یہ ہے کہ ہم نے ہی اسے ایک برکت والی رات میں اتارا ہے حق ہے کہ ہم ہی آنے والے خطرات کا

احساس دینے والے ہیں، اس رات ہر حکمت سے معمور معاملہ حتیٰ طور پر طے کر لیا جاتا ہے، ہر وہ معاملہ جس کا تعلق ہماری بارگاہ سے ہے، حق یہ ہے کہ ہم ہی رسولوں کو بھیجنے والے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”اِنَّ كُنْتُمْ اٰمِنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَا اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ“... اگر تم ایمان لا چکے ہو اللہ پر اور ہر اس چیز پر جسے ہم نے اپنے بندے پر فیصلہ کے دن اتارا، وہ دن کہ جب دو جمیعتیں باہم ٹکرائی تھیں، اور اس سے مراد آپ کا اور مشرکین مکہ کا بدر کے مقام پر ہونے والا آمنہ سامنا ہے۔ ابن اسحاق کا کہنا ہے: اور حدیث بیان کی ہے مجھ سے ابو جعفر محمد بن علی بن حسین نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کے مابین بدر کا معرکہ جمعہ کی صبح سترہ رمضان کو ہوا تھا۔“

مندرجہ بالا اقتباس پر ایک عمیق نظر ڈالی جائے تو اس امر میں ذرا شک شبہ نہیں رہ جاتا کہ یہ سب ابن اسحاق کا ذاتی استدلال اور اخذ و استنباط ہے۔ متعلقہ دلائل یکجا تو کیے ہیں مگر ان کے درمیان کوئی منطقی ترتیب نہیں۔ مزید برآں خصوصیت کے ساتھ نزول قرآن حکیم کے باب میں کسی صریح بتصل اور معتبر روایت کے باعث انہوں نے سترہ رمضان المبارک کی جانب اشارہ نہیں کیا ہے۔ ان بے ربط دلائل کو دیکھ کر ہی قاری کو یقین ہو جاتا ہے کہ ایک مربوط طرز استدلال کا یہاں فقدان ہے اور نتیجہ خیزی بھی معدوم ہے۔ یا یوں کہیے کہ نتیجہ خیزی اور اخذ و استنباط کو قاری کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ دیگر کمزوریوں سے صرف نظر کر بھی لیا جائے تو جمعہ کے دن کی صبح سے نزول قرآن کا قول بھی تفرّد کے زمرے میں آتا ہے۔ اور یہ ایسا تفرّد ہے جو کہ کھلی صراحتوں، جن کا آگے ذکر آئے گا، کے مقابل ہے۔ لہذا راقم کی دانست میں اس پورے اقتباس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ خواہش کے باوجود ابن اسحاق نزول قرآن کے دن اور تاریخ کی تعیین کے باب میں کامل یقین اور پورے وثوق کے ساتھ کچھ کہنے سے قاصر ہیں۔ لہذا ان اقوال کی صحت پر کسی اعتماد کی گنجائش ہی کیا رہ جاتی ہے؟

اسی طرح کے تذبذب اور الجھنوں ہی کا نتیجہ ہے کہ اس باب میں نت نئے اور انوکھے مذاہب بھی پیدا ہوئے اور کئی ایک کے نزدیک قابل اعتماد بھی ٹھہرے۔ اس نوع کا ایک عجیب و غریب مذہب اس بارے میں یہ بھی ہے کہ قرآن حکیم کا نزول ماہ رمضان المبارک میں نہیں ہوا ہے۔ چنانچہ ”شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي اُنزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ“ (البقرہ: ۱۸۵) کی تفسیر کرتے ہوئے کچھ علماء کا دھیان اس طرف بھی گیا ہے کہ اس سے مراد یہ نہیں کہ نزول قرآن حکیم کا آغاز ماہ رمضان المبارک میں ہوا۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ماہ رمضان ہی وہ عظمت والا مہینہ ہے جس کی عظمت و فضیلت کے باب میں قرآن حکیم نازل ہوا ہے۔ بایں طور قرآن حکیم کے نزول کا آغاز ماہ رمضان المبارک کی مبارک ساعتوں کے ساتھ مختص نہیں رہ جاتا۔ امام فخر الدین رازی اس نکتہ نظر پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

”سفیان بن عیینہ کا کہنا ہے کہ ”انزل فيه القرآن“ کا معنی ہے اس کی فضیلت میں قرآن نازل ہوا۔ حسین بن فضل کا مختار مذہب بھی یہی ہے۔ کہتے ہیں یہ کہنا ایسے ہی ہے جیسے کہا جائے

کہ ”أَنْزَلَ فِي الصَّدِيقِ كَذًّا آيَةً“ (صدیق کے بارے میں ایسی آیت اتری) اس سے ان کی فضیلت میں کسی آیت کا اترا نہ مراد لیتے ہیں۔ ابن الانباری کا موقف ہے کہ اس سے مراد ہے کہ ”خلق پر روزوں کے وجوب کے معاملے میں قرآن نازل ہوا“ جس طرح کہ یہ کہا جائے کہ ”أَنْزَلَ اللَّهُ فِي الرِّكَابَةِ كَذًّا وَ كَذًّا“ (اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے بارے میں یہ آیات نازل کیں) اس کا قائل مراد یہ لیتا ہے کہ ”ان کے وجوب کے بارے میں نازل کیا“ اسی طرح ”أَنْزَلَ فِي النِّخْمِ كَذًّا“ (شراب کے بارے میں یہ حکم نازل ہوا) قائل کی مراد ہوتی ہے کہ اس کو حرام قرار دینے کی بابت حکم نازل کیا۔ (۶)

عربی زبان و ادب سے محاوروں کے انتخاب اور ان سے استدلال کی داد نہ دی جائے تو زیادتی ہوگی۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ یہ ساری محنت حقیقت سے نظریں چرانے کے لئے کی گئی ہے۔ اس اصول یا اسلوب کو اگر درست مان لیا جائے تو، عیاذاً باللہ تعالیٰ، قرآن حکیم کے کسی بھی حکم کو اس کی اصل وضع اور ساخت سے دور اور محروم کیا جاسکتا ہے۔ اہل علم پر یہ امر مخفی نہیں کہ کلام کو اس کی حقیقت پر محمول کرنا بہ طور اولیٰ اور افضل ہے۔ مجاز کی طرف رجوع کی اجازت اس وقت ہے کہ جب اس کا حقیقت پر عمل معجز اور ناممکن ہو جائے۔ اقتباس مندرجہ بالا سے صاف طور سے عیاں ہے کہ یہ استدلال حقیقت سے مجاز کی طرف عدول پر مبنی ہے۔ یہ بات مسلمہ ہے کہ ”فِی“ حرف جارہ کے استعمال کے معاملے میں اولیت ظرفیت کو حاصل ہے۔ اس جگہ یہی حقیقت ہے۔ شیخ عبدالقادر جرجانی کی تصریح ملاحظہ کیجیے۔ لکھتے ہیں:

و ”فِی“ لِلظَّرْفِيَّةِ نَحْوُ ”الْمَالُ فِي الْكَيْسِ“ . و ”نَظَرْتُ فِي الْكِتَابِ“ . (۷) یعنی: اور ”فِی“ ظرفیت کے لئے موضوع ہے۔ جیسے: ”الْمَالُ فِي الْكَيْسِ“ (مال ہٹوے میں ہے) اور ”نَظَرْتُ فِي الْكِتَابِ“ (میں نے کتاب میں دیکھا)

علامہ غلام جیلانی میرٹھی ”لِلظَّرْفِيَّةِ“ کی مزید توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قَوْلُهُ لِلظَّرْفِيَّةِ: یعنی اس پر دلالت کرنے کے لئے کہ مدخول ”فِی“ کسی چیز کے واسطے مل ہے۔ اگر حقیقۃً ہو بایں طور کہ مکان ہے یا زمان تو ظرفیت ہتھیہ مکانی جیسے: ”الْمَالُ فِي الْكَيْسِ“ یا زمانی جیسے: ”وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ عَلَيْهِمْ سَيَغْلِبُونَ فِي بَضْعِ سِنِينَ“ اور اگر مدخول ”فِی“ محل حقیقۃً نہیں بایں طور کہ مکان ہے نہ زمان تو ظرفیت مجاز یہ ہے جیسے: تَفَكَّرْتُ فِي الْعِلْمِ۔ (۸)

ظرف اور مظروف کے تعلق سے یہ اصول بہت اہم ہے کہ ظرف ذی احتواء ہو اور مظروف ذی چیز شے ہو تو مجاز کی طرف عدول اور رجوع کی گنجائش نہیں رہتی۔ اور اس امر میں کسی کے لئے کسی کلام کی گنجائش نہیں ہے کہ آیت زیر بحث میں ماہ رمضان المبارک ظرف ذی احتواء سے اور نزول کا آغاز مظروف ذی چیز شے ہے۔ جہور مفسرین کرام کے نزدیک بھی

”نَهْهُوَ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ“ (البقرہ: ۱۸۵) میں یہ دونوں ہی پہلو موجود و مقصود بھی ہیں اور ملحوظ و معتبر بھی۔ لہذا زیر بحث مذہب کہ قرآن کے نزول کا آغاز ماہ رمضان المبارک سے نہیں ہوا بلکہ آیت کا مقصود یہ ہے کہ ماہ رمضان المبارک کی فضیلت میں قرآن کا نزول ہوا، کسی طور لائق اعتناء نہیں رہ جاتا۔ اس طرح کی ڈیڑھ اینٹ کی اپنی اپنی الگ مسجدیں کھڑی کرنے کے نتیجے میں امت کی وحدت فکرو عمل، یکجہتی اور ہم آہنگی بری طرح سے پامال اور پارہ پارہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ نیز ان حالات میں قوت فیصلہ بھی سلب ہو کر رہ جاتی ہے۔ ان فقہی تفریعات کو اگر طلبہ کا ذہن آزمانے کے لیے تفریحات کے درجے میں رکھا جائے تو اس نوع کی شوقیہ خیال آرائی کی گنجائش تو نکل سکتی ہے۔ قرآن وحدیث کا معاملہ ہو تو مراد و مقصود سے سرمو انحراف کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ روایتی طور پر یہی دیکھنے میں آتا ہے کہ جس کی نگاہ جس ماخذ تک گئی یا جس ماخذ کو اس نے من حیث المجموع معتبر سمجھ لیا اسی کی بیان کردہ روایت کو آگے بڑھادیا۔ چنانچہ صاحب تفسیر حقانی نے ایک دیانتدارانہ فرض کی ادائیگی کے طور پر اس قول پر مبنی روایت کو آگے بڑھایا ہے۔ لکھتے ہیں:

بعض کہتے ہیں کہ ”أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ“ سے مراد یہ نہیں کہ رمضان میں قرآن اترا بلکہ رمضان کی شان میں قرآن اترا مراد ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں: أُنزِلَ فِي عَلِيٍّ وَ أُنزِلَ فِي عُمَرَ (۹)

یہ ایک اندوہناک حقیقت ہے کہ مسلم امہ میں پایا جانے والا اس نوع کا ذہنی و فکری خلفشار صدیوں تک پالا پوسا گیا ہے۔ یہ بلا وجہ اور بلا ضرورت دوسروں سے اختلاف رائے رکھنے اور اسے نبھاتے چلے جانے کی ریت خود رو پودوں کی طرح ذہن کی کھیتوں کو پورا نقصان پہنچاتی ہے۔ خود رو پودوں کی یہ تو خوبی ہے کہ بھلے سے اپنا بیج آگے بڑھا کر ہی مگر کچھ عرصے کے لیے نظروں سے اوجھل تو ہو جاتے ہیں۔ عارضی ہی سہی کچھ راحت ضرور ملتی ہے۔ مگر اس نوع کی بقرائیاں معتبر و متداول کتب کے صفحات کی زینت بن کر امر ہو جاتی ہیں۔ صدیوں ایسی پود کی آبیاری کا شمرہ اور منطقی نتیجہ ہے ہماری قوم آج فکری و عملی اور اعتقادی اعتبار سے سینکڑوں اور ہزاروں نہیں بلکہ ان گنت گروہوں میں بٹی ہوئی ہے۔ ایسی ہی کچھ روایات و وجوہات پیش نظر تھیں جن کے باعث علامہ اقبال نے فرمایا تھا ۔

حقیقت خرافات میں کھو گئی

یہ امت روایات میں کھو گئی

مسلمانوں میں عالمی بیداری کی لہر جاری و ساری ہے بلکہ روز بروز طاقت پکڑ رہی ہے اور نئے نئے مرحلے اور سنگ میل عبور کر رہی ہے۔ اس کے لیے سب سے بڑا خطرہ کسی ایک ہی بنیادی بات کے تعلق سے متقدمین و اسلاف اور ان کے خلف روافاصل و اکابر کے باہم معارض و متصادم اقوال و آراء ہیں۔ انسان سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ کدھر جائے۔ کس کی سننے اور ماننے اور کس کو چھوڑ دے۔ ایسے میں بزرگان دین و شریعت کا بڑا اثر ہو تو دلیل اپنا اعتبار اور اثر کھو بیٹھتی ہے۔ لہذا بہت ضروری ہے کہ اقوال و آراء کی اس گونا گونی سے نکال کر بنیادی باتوں کو تحقیق و تدقیق کے ذریعے سے ایسی حقیقی بنیادوں پر ثابت و قائم

کیا جائے جو ہر لحاظ سے قابل اعتماد و لائق بھروسہ ہوں۔ اور مختلف فیہ کے زمرے سے نکال کر ان بنیادی باتوں کو ایک متفق علیہ قدر کے طور پر اجاگر کر سکے اور منوالے۔ آنے والے وقتوں میں اس بات کی بڑی قدر و قیمت ہوگی اور یہ ریت بے تحاشا فوائد و ثمرات کی حامل بھی ہوگی۔ بہت سے نقصانات سے بھی بچا جاسکے گا۔ زیر بحث قضیہ بھی اسی قبیل سے ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا بنی نوع انسان کے نام یہ آخری پیغام اس کے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب انور پر قرآن مجید فرقان حمید کی صورت میں نازل ہوا ہے۔ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت قریش مکہ کی معزز ترین شاخ بنو ہاشم میں، مصری محقق و ہیئت داں جناب محمود پاشا فلکی کی تحقیق اور شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی کے قول مختار کی رو سے ”۹ ربیع الاول، روز دوشنبہ، مطابق ۱۲۰ اپریل ۵۷۱ء میں“ ہوئی تھی (۱۰)۔ آپؐ بچپن ہی سے حلیم الطبع اور منکسر المزاج واقع ہوئے تھے۔ اپنی قوم کی مشرکانہ حرکات و رسومات سے بیزار رہتے تھے۔ عادات صالح جو یا نہ اور خصائل کریمانہ تھے۔ آپؐ کا پورا عہد شباب بھی نہایت شفاف تھا۔ قبیلہ قریش کی شاخ بنو ہاشم سے آپؐ کی وابستگی کے باعث جزیرہ نمائے عرب اور گرد و پیش کے حلیف ممالک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور عظمت اور خاندانی شرف و وقار کی جڑیں بہت گہری تھیں۔ آخر آخر میں وقتی طور پر اگرچہ بنی ہاشم مالی لحاظ سے خاصے کمزور ہو گئے تھے۔ اور مناسب موقع پا کر دیگر کچھ قبائل قریش نے بھی اپنا رسوخ بڑھا لیا تھا۔ مگر دیگر حریفوں پر فوقیت و برتری اور عظمت و شرافت کے معاملے میں تاریخ، ہاشم اور بنو ہاشم کے حق میں فیصلہ دے چکی تھی اور مسلسل دیتی رہی۔ یہ فیصلے کچھ اس نوعیت کے تھے کہ لوگوں کے حافظے سے ان فیصلوں کے نقوش و اثرات محو ہونے کے نہ تھے۔ قبیلہ قریش پورے عالم عربی کے لئے مذہبی و سیاسی اعتبار سے مقتدا اور پیشوا کا درجہ رکھتا تھا۔ اور بنو ہاشم پورے قبیلہ قریش کے مقتدا اور پیشوا کا درجہ رکھتے تھے۔ اس لحاظ سے ایک نمایاں ترین مقام پر ہونے کے ناطے چونکہ سب کی نگاہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مرکوز رہی تھیں اس لئے اس دلیل کی معنویت کئی چند ہو جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ماضی سب کا دیکھا بھالا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

قُلْ لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُمْ عَلَيْهِمْ وَلَا أَذْرَأْتُمْ بِهِ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۱۶﴾ (یونس: ۱۶)

”آپؐ فرمادیجئے: اگر اللہ چاہتا تو اس (قرآن حکیم) کو میں نے تم پر تلاوت نہ کیا ہوتا اور نہ اس نے تمہیں اس کی خبر دی ہوتی، میں نے تو تمہارے درمیان رہتے عمر کا ایک معتد بہ حصہ گزارا ہے، کیا تم سمجھتے نہیں؟“

پیر کرم شاہ الازہری، آیت کے اس حصے میں مضمحل پیغام پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں:

ذرا سوچو تو میں چالیس سال کا عرصہ دراز تمہارے درمیان گزار چکا ہوں۔ کیا میں نے پہلے بھی کبھی ایسی بات کہی تھی؟ جب میری صداقت، میری سچائی، میری دیانت و امانت تمہارے نزدیک بھی ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے تو میری بات

کو مان لو کہ یہ کلام الہی ہے۔ (۱۱)

پختگی کی عمر قریب آتی گئی۔ اب تک بیت اللہ کے اندر اور باہر جو جو مشرکانہ افعال اور سرگرمیاں وقوع پذیر ہوتی رہیں، سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں تھیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح سلیم پرگراں تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گوشہ نشین و خلوت گزریں رہنے لگے۔ قاضی محمد سلیمان مسلمان منصور پوری لکھتے ہیں:

بعثت سے سات برس پہلے ایک روشنی ہی نظر آنے لگی تھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس روشنی کے معلوم سے خوش ہوا کرتے تھے۔ اس چمک میں کوئی آواز یا صورت نہ ہوتی تھی۔ بعثت کا زمانہ جس قدر قریب ہوتا گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج میں خلوت گزینی کی عادت بڑھتی جاتی تھی۔ (۱۲)

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

أَوَّلُ مَا بُدِيَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوُحْيِ الرَّؤْيَا الصَّالِحَةَ فِي السُّنُومِ فَكَانَ لَا يَرَى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْهُ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ ثُمَّ حُصِبَ إِلَيْهِ الْخَلَاءُ. وَكَانَ يَخْلُو بَعَارِ حِرَاءَ فَيَتَحَنَّنُ فِيهِ وَهُوَ التَّعْبُدُ اللَّيَالِي دَوَاتِ الْعَدَدِ قَبْلَ أَنْ يَنْزِعَ إِلَى أَهْلِهِ وَيَنْزَوُدَ لِذَلِكَ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى خَدِيجَةَ فَيَتَزَوَّدُ لِمِنْهَا حَتَّى جَاءَهُ الْحَقُّ وَهُوَ فِي غَارِ حِرَاءَ. (۱۳)

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی پہلی روایے صادقہ سے ہوئی۔ آپ جب بھی کوئی خواب دیکھتے تو اس کی تعبیر روز روشن کی طرح سامنے آ جاتی۔ پھر آپ کو خلوت بھلی لگنے لگی۔ آپ غار حراء میں خلوت گزریں ہو جاتے اور وہاں پر ”تَحَنُّنٌ“ فرماتے جو کہ عبادت کی ایک شکل تھی۔ کئی کئی راتیں یونہی بسر ہو جاتی تھیں کہ آپ گھر ہی تشریف نہ لاتے۔ آپ اس خلوت گزینی کے عرصہ کے لئے زاد ساتھ لے کر جاتے تھے۔ پھر حضرت خدیجہ کے پاس آتے اور زاد لے کر پھر تشریف لے جاتے تھے چنانچہ جب وحی نازل ہوئی اس وقت بھی آپ غار حراء میں ہی تھے۔“

یہ سب کن وقتوں کی بات ہے؟ کوئی عندیہ نہیں ملتا۔ خیال یہ ہے کہ ابھی تاریخ کا سرمایہ محدود اور اثرات کم تھے۔ چنانچہ واقعات کے اجمالی بیان ہی کو کافی سمجھا گیا۔ وقوعہ کے وقت اور تاریخ کا تعین و تشخیص چونکہ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا اس لیے ضروری نہیں سمجھا گیا۔ مگر آج جب چودہ صدیاں بیت چکی ہیں یہ سوال اپنی جگہ بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ نزول قرآن حکیم کا آغاز کس ماہ کی کس تاریخ اور کس دن سے ہوا تھا؟

نزول قرآن کی تاریخ کے تعین کے معاملے میں محققین کے درمیان جو اختلاف ہے اگلے وقتوں میں اس سے چند مکاتب کی تشکیل بھی ہوئی ہے۔ ایسے ہی تین مکاتب فکر کا تذکرہ علامہ مطبری نے کیا ہے۔ عام رواج یہ رہا ہے کہ انہی میں

سے کسی ایک کو اختیار کر لیا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس ضمن میں پورے وثوق کے ساتھ کسی مؤقف کو ترجیح دینے کے معاملے میں گریز ہی پایا گیا۔ مشہور مؤرخ علامہ طبری نے متذکرہ بالا تینوں مکاتب فکر کی آراء اور ان کے دلائل بھی یکجا ذکر کئے ہیں۔ خلاصہ ملاحظہ کیجیے:

مذہب اول: پیر کے روز پر سب کے اتفاق کا حوالہ دینے کے بعد لکھتے ہیں:

وَ اِخْتَلَفُوا فِيْ اَيِّ الْاَثْنَيْنِ كَانَ ذٰلِكَ؟ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: نَزَلَ الْقُرْآنُ عَلٰى رَسُوْلِ

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِثَمَانِيْ عَشْرَةَ خَلَّتْ مِنْ رَمَضَانَ

”اس امر میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ نزول قرآن کا آغاز کس پیر کے روز سے ہوا؟ کچھ نے کہا

ہے کہ یہ رمضان کی اٹھارہویں رات تھی۔“

دلیل: اس مکتبہ فکر کے مؤیدین حضرت ابوقلابہ عبداللہ بن زید جری کے قول پر اعتماد کرتے ہیں۔ علامہ طبری لکھتے ہیں:

اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ، فِیْمَا بَلَغَهُ وَ اَنْتَهٰی اِلَیْهِ مِنَ الْعِلْمِ: اُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ

صَلٰى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِثَمَانِيْ عَشْرَةَ خَلَّتْ مِنْ رَمَضَانَ.

”کہ جو خبر اور علم آپ رضی اللہ عنہ تک پہنچا اس کی روشنی میں آپ فرمایا کرتے تھے: رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم پر رمضان کی اٹھارہویں رات سے نزول قرآن کا آغاز ہوا۔“

مذہب ثانی: دوسرے مکتبہ خیال کے لوگ کہتے ہیں:

بَلْ اُنْزِلَ لِارْبَعٍ وَ عَشْرِيْنَ لَيْلَةً خَلَّتْ مِنْهُ

”نہیں بلکہ رمضان کی چوبیسویں رات سے آغاز ہوا۔“

دلیل: اس مکتبہ فکر کے مؤیدین حضرت ابوالجعد کے قول پر اعتماد کرتے ہیں۔ علامہ طبری ان کی دلیل نقل کرتے

ہوئے لکھتے ہیں:

عَنْ اَبِي الْجَلَدِ، قَالَ: نَزَلَ الْقُرْآنُ لِارْبَعٍ وَ عَشْرِيْنَ لَيْلَةً خَلَّتْ مِنْ رَمَضَانَ

”حضرت ابوالجعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں: نزول فرقان کا شروع رمضان کی

چوبیسویں رات سے ہوا تھا۔“

مذہب ثالث: اس نقطہ نظر کے حامیوں کا خیال ہے:

بَلْ نَزَلَ لِسَبْعِ عَشْرَةَ خَلَّتْ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ.

”نہیں بلکہ سترہ رمضان سے شروع ہوا تھا۔“

دلیل: ان کی دلیل قرآن حکیم کی حسب ذیل آیت مبارکہ ہے:

وَ اسْتَشْهَدُوا لِحَقِيْقِ ذٰلِكَ بِقَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَمَا اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ التَّقٰى الْجَمْعَانِ﴾

”اس کتبہ خیال نے اپنے موقف کی تحقیق کے لئے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پاک: وَمَا اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ التَّقٰى الْجَمْعَانِ (الانفال: ۳۱)“ اور جو کچھ بھی ہم نے اپنے بندے پر اتارا فیصلے کے روز، جب دونوں جماعتوں کے مابین تصادم رونما ہوا،۔“ سے استشہاد کیا ہے۔“

طبری نے ان مکاتب فکر کی یہی ترتیب رکھی ہے۔ اور اہل علم کا چونکہ دستور ہے کہ جس قول کو خود اختیار کرتے ہیں اسے حرفِ آخر کے طور پر سب سے آخر میں بیان کرتے ہیں۔ لہذا مذہبِ ثالث کی طرف آپ کے میلان طبع کا اظہار حسبِ ذیل کلمات سے بھی ہوتا ہے:

وَ ذٰلِكَ مُسَلِّطٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُشْرِكِيْنَ بِيَدْرِ، وَ اَنَّ التَّقَاةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَالْمُشْرِكِيْنَ بِيَدْرِ كَانَ صَبِيْحَةَ سَبْعِ عَشْرَةَ مِنْ رَمَضَانَ. (۱۴)

”اس سے مراد بدر کے میدان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشرکین مکہ کے ساتھ معرکہ ہے۔ اور معرکہ بدر سترہ رمضان کی صبح کو وقوع پذیر ہوا تھا۔“

پچھلے دنوں نکتہ ہائے نظر کا ضعف واضح ہے۔ اب علامہ طبری کے مختار موقف کے ضمن میں چند باتوں کا لحاظ ضروری ہے۔ مندرجہ بالا آیت مبارکہ غزوہ بدر کے اموالِ غنیمت کی تقسیم کا طریقہ اور قانون وضع کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے۔ اس آیت مبارکہ میں ”ما“ اسم موصول ہے جس میں تعیم کا عنصر بکمالہ پایا جاتا ہے۔ لہذا قرآن حکیم تک اس کا حصر بلا دلیل ہے۔ اس آیت مبارکہ سے مراد وہ تمام تائیدات اور نعمتیں بھی ہیں جو اس عظیم الشان فتح کا موجب ہوئیں اور حق و باطل کے درمیان فرق پیدا کرنے اور ایک حدِ فاصل قائم کرنے کا باعث بنیں۔ مزید برآں یہ دونوں صریح قرآنیہ کے ساتھ بائیں طور متصادم ہے کہ سورہ دخان اور سورہ قدر میں نزول قرآن کا ذکر دن کے بجائے رات کے ساتھ معین ہو کر آیا ہے اور معرکہ بدر رات کو نہیں دن کو وقوع پذیر ہوا تھا۔

دیگر اہل علم نے بھی اتباع و پیروی ہی کو اپنا شعار بنائے رکھا ہے۔ ابن اشیر لکھتے ہیں:

”اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ آپؐ پر نزول قرآن کا آغاز پیر کے روز سے ہوا۔ تاہم اس امر میں اختلاف ہے کہ کس تاریخ کے پیر سے ہوا؟ حضرت ابو قلابہ جریم رضی اللہ عنہ کے بقول: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول قرآن کا آغاز رمضان کی اٹھارہویں رات سے ہوا۔ اور کچھ اور لوگوں کا کہنا ہے کہ رمضان کی انیسویں رات سے آغاز ہوا۔“ (۱۵)

متاخرین میں سے علامہ خضریٰ نے بھی نزول قرآن کے آغاز کی تاریخ سترہ رمضان ہی بیان کی ہے۔ لکھتے ہیں:

نزول قرآن کا زمانہ دو الگ الگ حصوں میں منقسم ہے۔ جو باہم ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔ پہلا دور مکی کہلاتا ہے۔

اس کی ابتدا سترہ رمضان ۴۱ سن ولادت نبوی سے ہوتی ہے۔ (۱۶)

مترجمین کے بیانات سے خوشہ چینی کے بعد قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری لکھتے ہیں:

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چالیس قمری سال پر ایک دن اوپر ہوا تو ۹ ربیع الاول سن ۴۱ میلادی، مطابق:

۱۲ فروری سن ۶۱۰ء کو بروز دوشنبہ روح الامین خدا کا حکم لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ اس وقت آپ

صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں تھے۔ (۱۷)

اگلے ہی صفحے پر مزید لکھتے ہیں:

”کچھ دنوں“ بعد فرشتہ پھر آیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جنہوں نے اب تک لکھنا پڑھنا نہ سیکھا تھا، خدا کا وہ پاک کلام پڑھایا جو سارے علموں کی کنجی اور ساری حقیقتوں کا خزانہ ہے۔ روح الامین نے ان آیات کو پڑھایا تھا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اقرأ... الی... ما لم یعلم“

پھر حاشیے پر ”کچھ دنوں“ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علما کا اتفاق ہے کہ ولادت باسعادت بمابہ ربیع الاول ہوئی، نیز اتفاق ہے کہ ابتدائے وحی اکتالیسویں سال کے

شروع میں ہوئی۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ابتدائے وحی بھی بمابہ ربیع الاول ہوئی۔ مگر قرآن مجید سے ثابت ہے کہ قرآن

مجید کا نزول رمضان المبارک میں ہوا پس نتیجہ یہ ہے کہ ابتدائے نزول بمابہ رمضان ہے۔ کچھ دنوں سے مراد اس عرصے کا

درمیانی فاصلہ تقریباً چھ ماہ ہے جس میں روایے صادقہ آتے رہے جو نبوت کا چھیا لیسواں حصہ (۲۳ سالہ عہد نبوت کا

چھیا لیسواں حصہ = چھ ماہ) تھے۔ امام طبری نے نزول قرآن کی تاریخ ۱۷ تا ۱۸ رمضان روایت کی ہے۔ چونکہ اٹھارہ

رمضان سن ایک نبوت کو یوم جمعہ تھا، مطابق ۱۰ اگست ۶۱۰ عیسوی اس لئے نزول قرآن مجید شب جمعہ ۱۸ رمضان کو تھا۔ (۱۸)

ان سطور سے صاف عیاں ہے کہ اس معاملے میں صاحب ”رحمۃ اللعلمین“ نے اپنی روایتی تحقیق کی بجائے محض سرسری

قیاس آرائی پر اکتفاء کیا ہے۔ پہلانا اثر جو قاری کے ذہن میں ابھرتا ہے وہ یہ کہ سورہ علق کی ابتدائی آیات پر مشتمل وحی لانے

سے قبل ہی حضرت جبرائیل علیہ السلام کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شناسائی ہو چکی تھی۔ یہ مؤقف بلا دلیل ہی نہیں نیا بھی

ہے۔ لہذا زیادہ لائق اعتناء نہیں۔ پھر یہ کہ پہلے تو یہ لکھ دیا کہ ”جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چالیس سال قمری پر ایک

دن اوپر ہوا تو ۹ ربیع الاول سن ۴۱ میلادی، مطابق ۱۲ فروری سن ۶۱۰ء کو بروز دوشنبہ روح الامین خدا کا حکم لے کر آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے“ چالیس سال قمری پر ایک دن اوپر ہونے کا نتیجہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ

کے قول: ”وَهُوَ ابْنُ اَرْبَعِیْن“ سے اخذ کیا ہے۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ اس جملے سے پورے چالیس سال کا تعین ایک

مشکل امر ہے۔ اہل زباں جب ان الفاظ میں کسی کی عمر بتاتے ہیں تو اس سے ان کی مراد ٹھیک چالیس سال کبھی نہیں

ہوتی۔ نہ ہی سامع ایسا کوئی تاثر لیتا یا لے سکتا ہے۔ پھر اس رائے کی ان روایات کے ساتھ بھی منافات ظاہر ہے جو صاف طور پر رمضان کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ اور جن کا مؤید خود قرآن حکیم ہے۔ مزید برآں پیر کے روز روزہ رکھنے کے بارے میں مروی احادیث اور علامہ طبری کے حوالے سے اوپر گزر چکا ہے کہ اہل علم کا اس امر پر اتفاق چلا آ رہا ہے کہ نزول قرآن کا آغاز پیر کے روز سے ہوا۔ لہذا یہ تسلیم کرنے کی بھی کوئی بنیاد نظر نہیں آتی کہ ”نزول قرآن مجید شب جمعہ ۱۸ رمضان کو تھا“۔

سطور بالا میں دیکھا گیا ہے کہ اہل علم آغازِ وحی کے دن تاریخ اور مہینہ کی تعیین کے معاملے میں مختلف رائے ہیں۔ اختلافِ رائے کو رحمت سے صرف اسی صورت میں تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ جب مختلف اقوال و آراء کو یکجا کر کے ان میں سے ایک معتدل و متوازن قول کشید کر لیا جائے۔ بصورتِ دیگر سراسر نقصان ہے۔ اب سطور ذیل میں کچھ دیگر محققین کے بیانات اور ان کے دلائل کا جائزہ لیتے ہوئے کسی نتیجے تک پہنچنے کی سعی کی جائے گی۔ نزول قرآن کی تاریخ کے تعین کے حوالے سے سب سے جامع بیان صاحب ”ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ پیر کرم شاہ الازہری اور صاحب ”الرحیق المختوم“ صفی الرحمن مبارکپوری کا ہے۔ گو کہ مبارکپوری نے خود لکھا ہے کہ ”مجھے اس کا کوئی قائل نظر نہیں آیا“، مگر قاری کے لئے انہوں نے اس موقف کی صحت پر عدم اعتماد کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی ہے۔ دونوں محققین نے اپنے اپنے انداز میں مگر حتمی نتیجے تک پہنچنے کے لئے ان نکات کو پیش نظر رکھنے کا التزام کیا ہے:

اولاً: نزول قرآن حکیم کے باب میں حسبِ ذیل قرآنی تصریحات:

الف: ”شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ“ (البقرہ: ۱۸۵)

”رمضان کا مہینہ ہی وہ مہینہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا۔“

ب: ”إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مُبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ“ (الدخان: ۳)

”حقیقت یہ ہے کہ ہم ہی نے اس کو ایک برکت والی رات میں اتارا ہے، یقیناً ہم ہی لوگوں کو

عذاب کے خطرات سے آگاہ کرنے والے ہیں۔“

ج: ”إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ“ (سورہ قدر، پہلی آیت مبارکہ)

”حقیقت یہ ہے کہ ہم ہی نے اس کو لیلۃ القدر میں اتارا ہے۔“

ان آیات کو یکجا کر کے دیکھنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قرآن حکیم دن کے اوقات میں نہیں بلکہ رات کا وقت تھا جب نازل ہونا شروع ہوا۔ قرآن حکیم اس رات کو لیلۃ مبارکہ کے نام سے موسوم کرتا ہے یا اس کو لیلۃ قدر کا نام دیتا ہے۔ اس بات کی تائید صاحب مناب العرفان کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ لکھتے ہیں:

ذَلَّتْ هَذِهِ الْآيَاتُ الثَّلَاثُ عَلَى أَنَّ الْقُرْآنَ أُنزِلَ فِي لَيْلَةٍ وَاحِدَةٍ تُوصَفُ بِأَنَّهَا

مُبَارَكَةٌ أَخَذًا مِنْ آيَةِ الدُّخَانِ. وَتُسَمَّى لَيْلَةَ الْقَدْرِ أَخْذًا مِنْ آيَةِ سُورَةِ الْقَدْرِ. وَهِيَ

مِنْ لَيْلَى شَهْرٍ رَمَضَانَ أَحَدًا مِّنْ آيَةِ الْبَقَرَةِ. (۱۹)

”ان تین آیات کی دلالت اس امر پر ہے کہ قرآن حکیم ایک ہی رات میں اتارا گیا جسے سورہ دخان والی آیت کی روشنی میں ”بابرکت رات“ اور سورہ قدر والی آیت کی روشنی میں ”قدر والی رات“ کہا گیا ہے۔ اور سورہ بقرہ کی آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رمضان المبارک کی راتوں میں سے کوئی رات ہے۔“

ثانیاً: پیر کے روز کے تعین کے لئے حضرت ابوقحادہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث کی رعایت و لحاظ۔ امام مسلم حضرت ابوقحادہ سے روایت کرتے ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ صَوْمِ الْإِثْنَيْنِ فَقَالَ فِيهِ وُلْدَتْ وَفِيهِ أَنْزَلَ عَلَيَّ (۲۰)

”کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیر کے روز روزہ رکھنے کی بابت دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: یہی وہ دن ہے جس میں میری ولادت ہوئی اور جس میں مجھ پر قرآن اتارا گیا۔“

ثالثاً: تقویم کی مدد سے سالِ بعثت کے رمضان المبارک میں پیر کے دنوں اور ان کی تواریخ کا تعین۔ اس سال رمضان کی ۷، ۱۲، ۲۱، ۲۸ تاریخوں میں پیر کا دن پڑتا ہے۔ اور چونکہ لیلۃ القدر رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کوئی رات ہے۔ اس لئے اس سال رمضان المبارک کے آخری عشرے کے حصے میں جو دو پیر کے دن آئے ان میں سے پہلا یعنی ۲۱ رمضان المبارک ہی طاق عدد ہے۔ اس طرح سے یہ طے ہو جاتا ہے کہ نزول وحی کا آغاز جب ہوا تو اکیسویں رمضان کی شب تھی۔ (۲۱)

مبارکپوری کے اپنے الفاظ میں اس پوری تقریر کا حاصل یہ ہے:

”ہماری تحقیق کے مطابق یہ واقعہ رمضان المبارک کی ۲۱ تاریخ کو دو شنبہ کی رات میں پیش آیا۔ اس روز اگست کی ۱۰ تاریخ تھی اور سن ۶۱۰ عیسوی تھا۔ قمری حساب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چالیس سال چھ مہینے بارہ دن اور شمسی حساب سے ۳۹ سال تین مہینے بائیس دن تھی۔“ (۲۲)

پیر کرم شاہ الازہری کی تحقیق بھی وہی ہے جو مبارکپوری کی تحقیق ہے۔ متذکرہ بالا جملہ دلائل کے حسن ترتیب سے اخذ و استنباط کرتے ہوئے آپ بھی اسی نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ نزول قرآن حکیم کی مبارک و مسعود شروعات رمضان المبارک کی اکیسویں شب سے ہوئی ہے۔ ایک جامع مگر اجمالی بیان پر مشتمل ایک قدرے طویل اقتباس ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مستعار لیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

”نص قرآنی سے ثابت ہے کہ نزول قرآن کا آغاز ماہ رمضان میں ہوا۔ یہ بھی آیت قرآنی سے ثابت ہوا کہ جس رات

میں اس کا نزول ہو اس رات کا نام لیلۃ القدر ہے اور صبحِ احادیث سے ثابت ہے کہ حضور نے پہلے ارشاد فرمایا کہ لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرے میں تلاش کرو۔ مزید کرم فرمایا اور امت کی سہولت کے پیش نظر اس کو آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرنے کی ترغیب دی۔ ان آیات اور روایات کے مطالعے سے ہم با آسانی اس نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں کہ نزول قرآن کا آغاز اکیسویں، تیسویں، پچیسویں، ستائیسویں اور اٹیسویں راتوں میں سے کسی ایک رات میں ہوا۔ ان پانچ راتوں میں سے وہ کون سی مخصوص رات ہے جس کو یہ سرمدی شرف و اعزاز نصیب ہوا تو اس بارے میں بھی زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور حدیث پاک ہمیں اس الجھن سے نکالنے کے لیے کافی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک تھا کہ ہر سوموار کو عام طور پر روزہ رکھا کرتے تھے۔ حضرت ابو قتادہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ سوموار کے دن اکثر روزے کیوں رکھتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فِيهِ وُلِدْتُ وَ فِيهِ اُنزِلَ عَلَيَّ. اور دوسری روایت میں ہے:

ذَلِكَ يَوْمٌ وُلِدْتُ فِيهِ وَ يَوْمٌ بُعِثْتُ اَوْ اُنزِلَ عَلَيَّ فِيهِ.

”کہ اسی دن میری ولادت ہوئی اور اس دن میں مبعوث ہوا اور مجھ پر قرآن نازل ہوا۔“ (صحیح مسلم)

اب ان پانچ راتوں میں سے یہ دیکھنا ہے کہ سوموار کی رات کون سی تھی؟ اگر یہ معلوم ہو جائے تو پھر یہ مسئلہ خود بخود حل ہو جائے گا۔ تقویمِ علمی کے حساب سے اس آخری عشرے میں سوموار کی دو راتیں بنتی ہیں۔ ایک اکیسویں اور ایک اٹھائیسویں۔ طاق رات کیونکہ اکیسویں ہے اس لیے ان دلائل کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کرنا قرینِ صحت ہے کہ اکیس رمضان المبارک کی بابرکت رات میں نزول قرآن کا آغاز ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اقدس پر ختم نبوت کا تاج سجا کر اور رحمت للعلمین کی خلعتِ فاخرہ پہنا کر خفتہ بخت انسانیت کی تقدیر کو جگانے کے لیے مبعوث فرمایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔“ (۲۳)

قوم کی حیات نو کا سب سے اہم اور بڑا مطالبہ وحدتِ فکر و عمل کا قیام اور یکجہتی و ہم آہنگی کا فروغ ہے۔ اب اس ضرورت کا احساس عام اور ہر سو ہے۔ حتیٰ کہ اس احساس کے تحت مختلف گروہ بھی چلک اور آمدگی کا عندیہ دے رہے ہیں۔ ان حالات میں اہل علم و دانش کی ذمہ داری ہے کہ قبل اس کے کہ مختلف مذاہب و مسالک کی طرف سے دکھائی جانے والی یہ چلک پھر کسی نئی تختی کا روپ دھار لے اسے وسیع تر قومی مفاد کی مضبوط گرفت میں لانے کے لیے اقدامات کریں۔ اسی طرح اہل علم و دانش میں سے جس کی تحقیق بھی دھندلکوں سے نکال کر روشن راہوں پر قوم کو لاسکے اس کی پذیرائی اور تحسین لازم ہے۔ یہ اللہ کا خصوصی فضل و کرم ہے۔ وہ جسے چاہے نواز دے۔ اس عقدہ کشائی کا شرف متاخرین کے مقدر میں طے تھا تو اپنے وقت پر ظہور پذیر ہوا۔ محنت کسی کی بھی ہو ریاکیاں کبھی نہیں جاتی۔ بڑوں کی توجہ اگر کچھ پہلوؤں پر نہیں پہنچ سکی تو ان کا بڑا پین اپنی جگہ برقرار ہے۔ نہ رتبہ کم ہوا نہ قد کاٹھ میں فرق آیا۔ ان کی عظمت و احترام کو سلامت رکھتے ہوئے تحقیق و جستجو کا عمل جاری و ساری رہنا

چاہیے۔ اس میں بڑوں کی ہتک کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ یہ نکتہ ہمیں قرآن حکیم نے ہی دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَسَتْ فِيهِ غَمَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ. فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكَلَّمْنَا آتَيْنَا حُكْمًا وَعَلَّمَاهُ (الاعیاء: ۸، ۷۷)

”اور یاد کیجیے: داؤد اور سلیمان (علیہما السلام) کو جب وہ کھیت کا فیصلہ کر رہے تھے جب ایک قوم کے ریوڑ نے اس میں تباہی ڈال دی تھی اور ہم ان کے فیصلہ دہی کے عمل کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ تو ہم نے فیصلہ دہی کا صحیح عمل سلیمان کو سمجھا دیا، ہاں البتہ سب (انبیاء و رسل) کو ہم نے فیصلہ دہی کی اہلیت اور علم دے رکھا ہے۔“

حضرت سیدنا داؤد علیہ السلام صاحب کتاب پیغمبر ہیں، بزرگ ہیں والدِ گرامی ہیں اور سیدنا سلیمان علیہ السلام ان کے ایک کمن فرزند ہیں۔ مگر عطاءے ربی ہے۔ مجال ہے کہ شانِ داؤدی میں ذرہ برابر بھی کوئی فرق آیا ہو۔ فیصلہ دے چکے تو معلوم ہوا کہ سلیمان نے زیادہ بہتر فیصلہ کیا ہے۔ اپنا حکم منسوخ فرما کر اپنے کمن فرزند کے حکم کو اپنایا اور اسے جاری و نافذ فرما دیا۔ علامہ جارا اللہ زنجشتری کے بیان کے مطابق حضرت سیدنا داؤد علیہ السلام نے سیدنا سلیمان علیہ السلام سے اس موقع پر فرمایا تھا:

الْقَضَاءُ مَا قَضَيْتَ، وَ اَمَّضَى الْحُكْمَ بِذَلِكَ. (۲۴)

”فیصلہ وہی رہے گا جو تم نے صادر کیا۔ اور پھر اسی کے مطابق حکم جاری فرما دیا۔“

یہ نکتہ سب بڑوں اور چھوٹوں کو از برا اور پیش نظر رکھنا چاہیے۔ یہ رویہ قطعی طور پر غیر علمی اور غیر سائنسی ہے کہ اتنے بڑے بڑے علماء ہو گزرے ہیں ان میں سے تو کسی کو یہ بات سمجھ نہیں آئی آج کے کسی آدمی کو کیسے مان لیا جائے کہ سمجھ آگئی؟ یہ ایک روکھا پھیکا رویہ اور سو قیاناہ طرزِ عمل ہے جو حد ہے کہ خاصے پڑھے لکھے لوگوں میں بھی پایا جاتا ہے اور حوصلہ شکنی کا باعث بنتا ہے۔ عام طور پر کہا تو جاتا ہے کہ اجتہاد کا باب بند نہیں ہوا۔ طلب و جستجو اور تحقیق و تدقیق کا عمل جاری و ساری ہے۔ مگر یہ رویہ اور طرزِ عمل درحقیقت اس باب پر پڑے رنگ آلود فعل کی مانند ہے۔ فقط قرآن حکیم کا عطا کردہ شعور ہی اس کی واحد کلید ہے۔ اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی اور کوئی سبیل نہیں ہے۔ اصولی بات یہ ہے کہ شخصی قد کاٹھ کی بجائے دلیل ہی کو معیار بنایا جائے اور اسی پر انحصار کیا جائے تو کوئی پریشانی ہوگی نہ کوئی بحران پیدا ہوگا۔

شخصی و گروہی نوعیت کی وابستگیاں جب معتبر ہو جائیں تو دلیل کی تاثیر جاتی رہتی ہے۔ اور جس معاشرے سے دلیل کی تاثیر اٹھ جائے وہ بدامنی، افراتفری اور انتشار کا شکار ہو کر زوال آشنا ہو کر رہی رہتا ہے۔ اسی طرح زوال سے چھٹکارا پانے کے لیے بھی ضروری ہے کہ دلیل کا احترام اور اعتبار معاشرے میں عام ہو جائے۔ نزول قرآن کی مبارک ساعتوں کے تعین اور بیان کا معاملہ ہو تو اہل علم و دانش کی یہ تحقیق ہی اپنے اندر جامعیت اور حقیقت کا وزن رکھتی ہے۔ اس میں اندازوں اور قیاس آرائیوں کی بجائے دلیل کا اعتبار بلکہ دلیل پر انحصار صاف جھلک رہا ہے۔ ابھی بے شمار گریں ایسی

ہیں جن کا کھلنا ناگزیر ہے۔ اسی طرح ایک ایک کر کے کھلیں گی۔ مگر اس اعزاز است کہ بزور بازو نیست تانہ بخشند خدائے بخشندہ۔ پھر آنے والے وقتوں میں یہ یافت وحدت فکر و عمل کو ایک ٹھوس بنیاد مہیا کرے گی۔ اس لیے اس روایت کا فروغ از بس ضروری ہے۔ چنانچہ جملہ اہل علم و قلم حضرات کو اس پر غور کرنا چاہیے اور وحدت فکر و عمل کے قیام کی خاطر مدلل اور متفق علیہ موقوف کو ہی اختیار اور عام کرنا چاہیے۔

خلاصہ بحث:

اسلام، امن و سلامتی اور فروغ و ارتقاء کا دین ہے۔ امن و سلامتی اور فروغ و ارتقاء بنی نوع انسان کی آج سب سے بڑی ضرورت اور سب سے بڑی خواہش بن چکی ہے۔ یہ قدرت کی سب سے بڑی نعمت ہے زندگی کے لیے۔ آج اگر مسلمانوں کی حالت ابتری کا شکار ہے تو اس کی واحد وجہ قرآن حکیم اور دین اسلام سے دوری اور اس کی تعلیمات سے انحراف اور فرار ہے۔ جب لوگ اجتماعی طور پر قدرت کی نعمتوں کی ناقدری کی راہ پر چلنے لگ جاتے ہیں تو قدرت ان سے وہ نعمت یا اس کے فیوض و برکات چھین لیا کرتی ہے۔ پھر مدتوں ترستے رہنے کے بعد اسی اجتماع سے نئی ضرورتوں کے احساس کے تحت نئی تحریکیں اٹھتی ہیں، مردہ ضمیری کے خلاف عملی اقدامات اٹھائے جاتے ہیں۔ حالات بدلتے ہیں تو قدرت کی نعمتوں کے پھر سے نزول کے لیے مواقع سازگار اور امکانات پیدا ہو جاتے ہیں۔ عصر حاضر کے موجودہ زمینی حالات بھی اسی بات کا عندیہ دے رہے ہیں کہ دنیا اس چھینا چھٹی، لوٹ کھسوٹ اور بد امنی سے تنگ آ کر ایک روز ایک نئی کروٹ لینے پر مجبور ہو جائے گی۔ وہ دن اب زیادہ دور نہیں ہے۔ عالمی سطح پر امن و سکون کا فقدان عالم گیر پیمانے پر اس کی طلب و جستجو کو تقویت دے گا جس کے نتیجے میں مطالبہ و عملی جدوجہد جنم لے گی اور دنیا ایک ایسے نظام کے سائے میں پناہ لینے پر آمادہ ہوگی جو حتمی طور پر حق و راستی، امن و سلامتی اور سکون و آسودگی کا نظام العمل ہوگا (ان شاء اللہ)۔ یہ تمام خوبیاں صرف دین اسلام کے اندر ہی یکجا نظر آتی ہیں۔ لہذا اس بات کے بہت واضح امکانات ہیں کہ لوگ بہت جلد عالم گیر پیمانے پر اس دین سے وابستگی اختیار کریں گے اور قرآن حکیم سے نور ہدایت پا کر کنارِ عافیت پر پہنچنے میں کامیاب ہو سکیں گے۔ مگر اس راہ کی سب سے بڑی مشکل اس میں اقوال و آراء کی گونا گونی اور تنوع ہے۔ ایک نونیز قاری الجھن میں پڑ جاتا ہے کہ آخر کسے اختیار کرے اور کس قول کو چھوڑ دے؟ ایک قوم کی تشکیل نو کے لیے بنیادی و ثانوی نوعیت کی اقدار کا متفق علیہ ہونا ضروری ہوتا ہے۔ بصورت دیگر شیرازہ بکھرنے میں زیادہ وقت نہیں لگتا۔ ان بدلے ہوئے حالات میں مختلف مذاہب و مسالک میں بھی اس ضمن میں خاصی لچک دیکھنے میں آرہی ہے۔ چنانچہ موقع بہت مناسب ہے کہ اختلافی معاملات میں سے جہاں تک ممکن ہو سکے کانٹے چن کر راستے کو بے خار اور محفوظ بنا دینے کے عمل کی شروعات کر دی جائے۔ زیر نظر مضمون اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے اور قرآن حکیم کے تعلق سے ایک اہم سوال کا ایک معتبر و متوازن حل بھی پیش کرتا ہے۔

مراجع و حواشی

- (۱) شبلی نعمانی، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج: ۱، ص: ۹-۱۰۸، طبع اول، کراچی، دارالاشاعت، ۱۹۸۵
- (۲) سعیدی، غلام رسول، علامہ، تبیان القرآن، ج: ۱، ص: ۱۶، طبع ثالث، لاہور، فرید بک اسٹال، ۱۹۹۹
- (۳) قرطبی، محمد بن احمد، ابوعبداللہ، الجامع لاحکام القرآن، ج: ۲، ص: ۲۹۳، کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ، بلاسن طباعت، زیر آیت ۱۸۵، البقرہ
- (۴) آلوسی، محمود، ابوالفضل، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ج: ۲، ص: ۳، ج: ۳، ص: ۶۱، ملتان، مکتبہ امدادیہ، بلاسن طباعت
- (۵) ابن اسحاق، محمد، ابوبکر، المطالبی بالولاء، السیرة النبویہ لابن ہشام، ج: ۱، ص: ۵۸-۱۵۷، ملتان، عبدالقواب اکیڈمی، بلاسن طباعت
- (۶) رازی، محمد بن ضیاء الدین عمر، فخر الدین، تفسیر کبیر، ج: ۵، ص: ۹۲، مصر، المطبعة البهیة، ۱۳۰۲ھ
- (۷) جرجانی، عبدالقادر بن عبدالرحمن، شرح مائتہ عامل متن البشیر اکامل، ص: ۲۳، کراچی، میر محمد کتب خانہ، بلاسن طباعت
- (۸) میرٹھی، غلام حیلانی، سید، البشیر اکامل، ص: ۲۳، کراچی، میر محمد کتب خانہ، بلاسن طباعت
- (۹) حقانی، عبدالحق، ابو محمد، تفسیر حقانی، ج: ۱، ص: ۲۵، دیوبند، کتب خانہ نعیمیہ، بلاسن طباعت
- (۱۰) شبلی نعمانی، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج: ۱، ص: ۹-۱۰۸
- (۱۱) الازہری، کرم شاہ، پیر، ضیاء القرآن، ج: ۲، ص: ۲۸۶، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، جمادی الثانی ۱۴۰۲ھ، تفسیر آیت محولہ بالا
- (۱۲) منصور پوری، محمد سلیمان، قاضی، رحمة للعلمین، ج: ۱، ص: ۵۱، طبع اول، کراچی، دارالاشاعت، ۱۴۱۱ھ
- (۱۳) بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، ج: ۱، ص: ۲، طبع ثانی، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۹۶۱ء
- (۱۴) طبری، محمد بن جریر، ابو جعفر، تاریخ الطبری، ج: ۲، ص: ۲۹۳-۲۹۴، مصر، دارالمعارف، ۱۹۶۹ء، (ملخصاً)
- (۱۵) ابن اثیر، علی بن ابی الکریم محمد بن محمد، عز الدین، الکامل فی التاريخ، ج: ۲، ص: ۲۶، بیروت، دار صادر و دار بیروت، ۱۹۶۵
- (۱۶) محمد خضری، تاریخ التشریح الاسلامی، ص: ۶، پاکستان پبلیشنگ فاؤنڈیشن، ۱۹۹۳
- (۱۷) منصور پوری، محمد سلیمان سلمان، قاضی، رحمة للعلمین، ج: ۱، ص: ۵۲، کراچی، دارالاشاعت، ذوالحجہ: ۱۴۱۱ھ
- (۱۸) ایضاً، ص: ۵۳ و ۵۴
- (۱۹) زرقانی، محمد عبدالعظیم، منابیل العرفان فی علوم القرآن، ج: ۱، ص: ۳۷، مصر، دار احیاء الکتب العربیہ، بلاسن طباعت
- (۲۰) قشیری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، ج: ۱، ص: ۳۶۷، طبع ثانی، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۹۵۶
- (۲۱) مبارکپوری، صفی الرحمن، الریحق المنحوم، ص: ۹۷ و ۹۸، لاہور، المکتبۃ السنفیہ، اپریل ۱۹۹۹
- (۲۲) ایضاً، ص: ۹۷
- (۲۳) الازہری، کرم شاہ، پیر، ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج: ۲، ص: ۸، ۲۰۷، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
- (۲۴) زحشری، محمود بن عمر، جار اللہ، الکشاف، ج: ۳، ص: ۱۲۸، بیروت، دارالکتب العربی، فروری ۱۹۴۷ء

تشکیل نظام میں رسول اللہ ﷺ کی بہترین حکمت عملی

* محسنہ منیر *

ABSTRACT:

The Seerah of The Holy Prophet (S.A.W.) grants the ummah complete guidelines in system making. The state of Madinah was established by the Holy Prophet (S.A.W.) in an exceptional manner. The situation of Madinah before the arrival of the Muslims was complex as hostility, aggression and enmity were common, which did not allow peace in the city. Peace and justice were restored when Muslims migrated to Madinah.

The life of the Holy Prophet (S.A.W.) endows useful principles for all mankind to make a uniform scheme of actions these include: building a centre, accord and harmony among all the groups, devising contracts, formulating the principles of combat and most important obeying to the commands of the leader. All these directions from the Holy Prophet (S.A.W.) Cements the mankind in one peaceful unity.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے کثیر لحات اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید و فرقان حمید میں جگہ جگہ کہیں اپنی تائید و تحسین کے ساتھ اور کہیں رشد و ہدایت کے ساتھ تذکرہ فرمائے ہیں (۱)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت جملہ انسانیت کی طرف ہے۔ آپ کی رحمت تمام عالمین کے لیے محیط ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کی حیات طیبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنے مکالمات و معاہدات فرمائے ان میں تمام گروہ انسانی کے لیے خیر و فلاح کا جامع ترین منصوبہ پایا جاتا ہے۔ مفاہمتی عمل کی بہترین حکمت عملی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقدامات میں ہے اور اس پر تمام امت کا اتحاد و اتفاق ہے۔ کوئی دوسرا درنہوت، کوئی دوسرا فرماں روا، کوئی دوسرا سردار، کوئی دوسرا غم خوار انسانیت اور کوئی دوسرا انسان ایسا نہیں ہے جو تاج دار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعارف کردہ مفاہمتی عمل کی ادنیٰ سی تاثیر کے برابر کچھ پیش کر سکا ہو یا کر سکتا ہو۔ یہ ایک معجزہ ہے (۲)۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے ہر لمحے میں آپ نے اپنی امت کو یاد رکھا ہے اور آپ کے ارشادات میں مسلم و غیر مسلم دونوں کے لیے فلاح و ہدایت کا بہترین نظام موجود ہے۔

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں بہترین حکمت عملی کی پہلی مثال تعمیر کعبہ کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے حجر اسود کی تنصیب کا واقعہ ہے (۳)۔ آغاز بعثت سے تقریباً پانچ سال قبل آپ کی عمر مبارک ۳۵ بینتیس سال تھی جب کعبہ کی عمارت صرف قد آدم اونچی تھی اور چار دیواری کے اوپر چھت تھی۔ تب قریش نے خانہ کعبہ کی تعمیر شروع

* ڈاکٹر، ایسوی ایٹ پروفیسر اسلامیات لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی لاہور برقی پتا: munirmann@hotmail.com